قمروش اشوک

مہرباں تیری نظر

ڈی۔ ایس۔ پی آغا اقارم حسین کے قدموں کی چاپ نے وہاں پر موجود تمام اسٹاف کو الرٹ کر دیا تھا، جیسے جیسے قدم اپنے روم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تمام ہی پولیس آفیسرز اپنی اپنی فام میں آ چکے تھے۔ آغا اقارم حسین اپنے روم میں انٹر ہوئے۔ اپنی کیپ اور اسٹک ٹیبل پر رکھ دی اور

دیں تھیں۔

''سر! وہ لڑکی غریب ہے۔'' حوالدار نے کچھ ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''غریب ہے، تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' رعب دار لہجے نے حوالدار کو گڑبڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ناولٹ

ایزی ہو کر چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔ ان کے آنے کے دو سیکنڈ بعد حوالدار رفعت جہاں پلیٹ میں ٹھنڈے پانی سے بھرا شیشے کا گلاس لے آیا تھا۔ اور ان کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا تھا، جسے پینے کے بعد ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے سامنے رکھی وہ بلیک فائل اٹھائی اور کھول کر پڑھنے لگے تھے۔ جس کا کیس انھیں سونپا گیا ہے۔

''ہوں۔ اس کیس کا کوئی عینی شاہد کوئی گواہ ہے؟'' فائل کو دیکھنے کے بعد ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے سامنے کھڑے حوالدار سے پوچھا تھا۔

''یس سر! لیکن۔'' وہ خاموش ہو گیا تھا۔

''لیکن، لیکن کیا؟''

''سر! گواہ ایک لڑکی ہے۔'' حوالدار نے مؤدب لہجے میں کہا تھا۔

''ہے تو گواہ، اور چونکہ یہ کیس میرے انڈر ہے تو مجھے ہی اس کی تمام انکوائری خود ہی کرنی ہے۔ تم جاؤ، اس لڑکی کو باحفاظت یہاں پولیس اسٹیشن لے آؤ۔'' انھوں نے حوالدار کو حکم دینے کے بعد نظریں ایک بار پھر کھلی فائل پر مرکوز کر

''سر! بات یہ نہیں ہے۔ وہ دراصل، سر! گواہ ہونے نہ ہونے کے برابر ہے۔''

''مطلب؟'' حوالدار کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات سمجھائے۔ وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ میرے ساتھ خود اس پسماندہ علاقے میں چلیے اور خود اپنی آنکھوں سے وہ سب دیکھ لیجیے جو وہ بیان نہیں کر سکتا ہے۔

آغا اقارم حسین نے سامنے کھڑے اس حوالدار کو بڑی جانچتی نظروں سے تکا تھا، جو شاید کسی بہت ہی گہری سوچ میں غلطاں تھا۔

''اچھا، ایک کام کرو تم جیپ تیار کرو۔ میں وہاں خود جاؤں گا۔'' شاید وہ اس کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ چکے تھے۔

''سر! آپ؟'' وہ چونکتے ہوئے بولا تھا۔

''ہاں میں۔ اب جلدی جاؤ ویسے بھی کافی ٹائم ضائع ہو چکا ہے۔'' انھوں نے بلیک فائل بند کی اور اپنی چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس دوران حوالدار بھی وہاں سے نکل گیا تھا۔

''لڑکی کہاں ہے؟'' رافیل بھٹی نے غصے میں کہا تھا۔

''باس! آپ بے فکر رہیے، وہ لڑکی اب اس قابل نہیں رہی ہے کچھ بول بھی سکے۔'' سوٹ بوٹ میں ملبوس اس شخص نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے نا میرا جو بے فکر ہو کر بیٹھ جاؤں۔'' رافیل بھٹی اس شخص کے تھوڑا قریب چلے آئے تھے۔

''جانتے ہو، یہ کیس ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کے انڈر میں آ گیا ہے، جو آج ہی کراچی پہنچا ہے۔ اور جسے کمشنر شیرف حیات نے بالخصوص اس کیس کے لیے اسلام آباد سے بلوایا ہے۔ یاد رکھو اگر عباد بھٹی کو کچھ ہوا تو میں تم لوگوں کو گولی مار کر جنگلی وحشی کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔'' رافیل بھٹی نے اس شخص کا گریبان زور سے پکڑا تھا۔

''اب اس سے پہلے کہ وہ ڈی ایس پی اس لڑکی تک پہنچے، مجھے ابھی ہر حالت میں وہ لڑکی چاہیے۔ جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ جب تک مجھے اپنی یہ شکل بھی مت دکھانا۔'' جھٹکے سے گریبان چھوڑا تھا۔

جیپ چھوٹی بڑی گلیوں سے گزر رہی تھی۔ جگہ جگہ پانی کا ڈھیر، بدبو اور میلے کچیلے بچے کھیل رہے تھے۔ کچھ عورتیں بھی اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اپنے گھروں کی چوکھٹ پر دھرنا ڈالے بیٹھی تھیں۔ جبکہ کچھ پولیس جیپ کو دیکھ کر فوراً اندر چلی گئی تھیں۔ اور دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ آخرکار کافی انتظار کے بعد جیپ مطلوبہ جگہ پر رک گئی تھی۔

کچی اینٹوں کا بنا یہ چھوٹا سا گھر کافی بدنما لگ رہا تھا۔ دروازہ کھلا تھا، لیکن وہاں پر کسی پردے کی جگہ بے رنگ پرانی چٹائی لگی تھی۔ جس سے اندر کے مکینوں کی بے پردگی نہیں ہو سکتی تھی۔ دروازے کے باہر پانچ چھ بچے کھیل رہے تھے۔ جن میں سے کچھ تو انھیں دیکھ کر بھاگ گئے تھے اندر گھر میں۔ اور جو ناسمجھ اور چھوٹے تھے وہ ہونقوں کی طرح اس سمت تک رہے تھے۔ ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے ایک نظر انھیں دیکھنے کے بعد پیچھے جیپ میں بیٹھی دونوں پولیس لیڈی کو اسٹک کا اشارہ دیا تھا۔ وہ دونوں اشارہ ملتے ہی اندر گھر میں چلی گئی تھیں۔

''سر! کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' وہ دونوں پولیس لیڈی پانچ منٹ میں باہر آ گئی تھیں۔ اور آ کر جیپ میں بیٹھے آغا اقارم حسین سے بولی تھیں۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ جیپ سے باہر نکل آئے تھے۔

''سر! وہ لڑکی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ ہمارے ساتھ چل سکے۔'' دونوں میں سے ایک بولی تھی۔

''آخر مسئلہ کیا ہے؟ اپائنج ہے کیا وہ؟ اگر ایسا ہے تو آپ لوگ فوراً دوسری گاڑی کا بندوبست کیجیے۔ ہم اسے ہر حال میں ابھی لے کر جائیں گے۔'' وہ بہت نرمی سے بولے تھے۔

''سر! یہ بات نہیں ہے۔ دراصل سر! وہ لڑکی۔۔۔''

''وہ لڑکی، وہ لڑکی، وہ لڑکی، پرابلم کیا ہے؟ دیکھیے یہ کیس میرے لیے بہت امپورٹنٹ ہے۔ جائیے لے کر آئیے اُسے۔'' وہ زچ ہو کر بولے تھے۔

''لیکن سر!''

''لیکن! پھر لیکن! اوکے، مجھے ہی جانا پڑے گا۔'' وہ غصے میں کہتے وہاں سے بڑھے تھے۔ دروازے کو اسٹک سے زور زور سے بجایا اور اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے وہ دونوں لیڈی پولیس بھی چلی آئی تھیں۔ حقیقت میں وہ ان کے غصے سے ڈر کر رہ گئی تھیں۔

سامنے تخت پر ایک چھوٹے سے قد کی موٹی سی عورت بیٹھی تھی۔ اور وہ بچے جو انھیں دیکھ کر ڈر کے مارے اندر بھاگ گئے تھے، اس وقت وہ سب ہی کھڑے تھے۔

''کہاں ہے تمھاری بیٹی؟ بلاؤ اسے۔ لینے آئے ہیں اسے۔'' ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

''صاحب! آخر آپ لوگ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میری دھی کے۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ وہ اب اس قابل نہیں رہی کہ کچھ بھی بول سکے۔ دیکھو صاحب! ہم بہت غریب ہیں۔ اور عزت دار بھی۔ اور ہمارے گھر کی عزت کورٹ کچہریوں کے چکر لگائے یہ برداشت نہیں کر سکتے ہم غریب

لوگ۔" وہ ہاتھ نچا نچا کر بول رہی تھی۔ اس کا انداز آغا اقارم حسین کو بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔

"اور ابھی جو یہ تھانیدارنی صاحبہ جی کہہ رہی تھیں کہ آپ لوگ جی میری دھی سے گواہی دلواؤ گے تو صاحب جی تم تو اپنا کام کر کے چلے جاؤ گے۔ لیکن وہ کیا ہے نا جی جس کے لیے تم یہ گواہی دلوار ہے وہ لوگ تو بڑے خطرناک ہیں۔ بعد میں تو ہمیں ہی مصیبت اٹھانی پڑے گی۔"

"دیکھو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ہم تمہاری بیٹی کو پولیس کسٹڈی میں رکھیں گے۔ وہ باحفاظت رہے گی۔ اس لیے اب زیادہ بحث مت کرو اور لے کر آؤ اس کو۔"

"پر صاحب! وہ اس قابل ہو تو آئے نا۔"

"کہاں ہے وہ؟" اب کے آغا اقارم حسین سے برداشت نہ ہو سکا، تو وہ خود وہاں اس اکلوتے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ آخر دیکھے تو خود جا کر کہ ایسی بھی کیا مصیبت آن پڑی ہے جو چلنے میں اتنا نخرے دکھا رہی ہے۔

ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے اس کمرے میں اپنے قدم دھرے تھے۔ اور اس چھوٹے سے کمرے کا بغور جائزہ لینے لگا تھا۔ سائیڈ دیوار سے دو چارپائی رکھی تھیں۔ جس پر پھولوں والی چادر بچھی تھی۔ اس کے پاس دو تین ٹین کی پیٹیاں ایک کے اوپر ایک رکھی تھیں۔ بائیں سائیڈ پر ایک لکڑی کی چھوٹی سی الماری رکھی تھی۔ جس کے دونوں دروازے غائب تھے۔ مگر بوسیدہ الماری کو بڑی خوبصورتی سے کاٹن کے نیلے کپڑے سے ڈھکا گیا تھا۔ جو کہ اندر کے حصے کو چھپانے کا کام کر رہا تھا۔ وہیں پر الماری کے کونے میں کوئی تھی جس کا صرف میرون جارجٹ کا آنچل لہراتا نظر آیا تھا۔

آغا اقارم حسین سمجھ گیا کہ وہ، وہی لڑکی ہے۔ وہ اس جگہ چلا آیا تھا۔

"آخر کیا سمجھ رکھا ہے تم نے ہم پولیس والوں کو؟ چلتی کیوں نہیں ہو تم؟" وہ غصے میں اس لڑکی پر زور سے چیخا تھا۔

"نہیں، نہیں۔ میں، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ میں ... میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ میں کچھ نہیں جانتی۔" ڈری سہمی سی وہ لڑکی صرف یہی تکرار کیے جا رہی تھی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ تھی۔ خوف اس کی آنکھوں سے اس کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ جیسے اگر اسے ہاتھ بھی لگایا تو جانے شاید وہ مر ہی نہ جائے۔ آغا اقارم حسین اس کی یہ حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ وہ لڑکی چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ خود کو اس دیوار کے اندر قید کر لیتی۔ جس سے وہ تقریباً چپکی کھڑی تھی۔

"میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ میں قسم کھاتی ہوں میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" اب وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اپنے چہرے کو چھپا گئی تھی۔ اس کی ہچکیوں، سسکیوں میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آغا اقارم حسین کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اپنی زندگی کے اتنے کیریئر میں یہ اس کا پہلا کیس ہے، جسے وہ بڑی آسانی سے حل بھی کر سکتا تھا۔ اور حل کر بھی نہیں پا رہا تھا۔

"دیکھیے بی بی! میں جانتا ہوں کہ آپ سب جانتی ہیں۔ آپ نے خود سب کچھ ہوتے دیکھا ہے وہاں۔ اس لیے یہ رونا چھوڑیے اور میرے ساتھ چلیے۔" آخر کو بہت دیر سوچنے کے بعد آغا اقارم حسین نے اپنے نرم خو لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں۔" وہ ہذیانی کیفیت میں چیخی تھی۔ "میں میں کچھ نہیں جانتی ہوں۔ ماما! ماما!" اب وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو چیخ چیخ کر بلا رہی تھی۔

"ماما! مجھے بچاؤ۔ ماما! مجھے بچاؤ۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے ماما! ...... ماما!" اس لڑکی کی خوفزدہ نظریں دروازے پر لگی تھیں۔ اور بس صرف یہی تکرار بار بار کیے جا رہی تھی۔

"بس، بہت ہو گیا۔ بہت کر چکی ہو تم اپنا ڈرامہ۔ اب میرے ساتھ سیدھے سیدھے چلو ورنہ گھسیٹتے ہوئے لے کر جاؤں گا۔" آغا اقارم حسین کو ایک بار پھر غصہ آ گیا تھا۔ وہ اس سے نرمی سے بات کر رہا تھا۔ جس نرم خو لہجے سے پیش آ رہا تھا، آج تک اس نے اس نرمی سے کبھی کسی گواہ، کسی مجرم سے مخاطب ہونے کی کوشش تک نہ کی تھی۔ اس لڑکی کی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے بڑے نرم لہجے میں

کیا تھا۔ لیکن وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔

"ماما!" وہ لڑکی آغا اقارم حسین کو نظر انداز کرتے ہوئے، بڑی پھرتی سے کمرے میں داخل ہوتے کسی بوڑھے والا شخص کے سینے سے لگی تھی۔

"ماما! ماما! صاحب جی پھر آگئے۔"

"ماما! میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ میں کچھ نہیں جانتی ماما۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ہاں رمی! تو کچھ نہیں جانتی۔ چل آ، یہاں بیٹھ جا۔ میں خود صاحب جی سے بولتا ہوں کہ تو کچھ نہیں جانتی ہے۔"

اس شخص نے اسے آرام آرام سے لاکر چارپائی پر بٹھا دیا تھا۔ اس لڑکی نے اس بوڑھے شخص کا ہاتھ ابھی بھی تھام رکھا تھا، جیسے وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ جبکہ وہ بوڑھا شخص اس لڑکی کے سر پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اور نظریں اپنے سامنے کھڑے پولیس انسپکٹر پر گاڑھ رکھی تھیں۔ آغا اقارم حسین کو ان نظروں میں بھی ایک طرح کا ڈر، خوف چھلکتا نظر آیا تھا۔ جس کے سمجھنے سے وہ قاصر تھا۔ آخر کار وہ اس لڑکی کو چپ کرانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ اب اس کا رخ ڈی ایس پی، آغا اقارم حسین کی سمت تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آرکا تھا۔ اور بڑی بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کے آگے کر دیئے تھے۔

"صاحب جی! ہمیں معاف کر دو۔ لیکن انتظام ہی اتنی جلدی جلدی کرتے مجھے تھوڑی دیر ہو گئی جی! لیکن آپ بے فکر رہیے، میں آپ کے جانے کے فوراً بعد اپنے گھر والوں کو لے کر اس شہر سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ بس مجھے تھوڑا وقت اور چاہیے جی!" اس کا ڈرا ڈرا لہجہ، خوف کے مارے چہرے پر پسینے اور تھر تھر کانپتا کمزور جسم۔ ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے اس بوڑھے شخص کی بے بسی کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا تھا۔ جب ہی اس کی نظر چارپائی پر کمسن بیٹھی اس لڑکی پر پڑی، جو اپنا سر گھٹنوں میں چھپائے سسک رہی تھی۔ اور پھر اس بوڑھے شخص کو ساتھ لیے کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اور اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔

"لیکن صاحب جی! آپ سے پہلے جو انسپکٹر صاحب آئے تھے، انھوں نے تو ہمیں یہاں سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اور کہا تھا کہ اگر میں یہاں سے اپنی بھانجی کو لے کر نہیں گیا، تو وہ اسے مار دیں گے جی!" اس نے اپنے گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"اور پھر ان کے جانے کے بعد دو دن تک کچھ موٹے موٹے میں پانچ چھ بندے آئے تھے۔ ان لوگوں نے ہمارے اس چھوٹے سے گھر کو پھیلا کے رکھ دیا تھا۔ اور ساتھ اپنی بڑی بڑی بندوقوں سے جی! سب نے آسمان کی طرف فائرنگ بھی کی تھی۔ اور تو اور صاحب جی! ان لوگوں نے تو میری بھانجی کو بھی نہیں بخشا تھا۔ ان میں سے تین آدمیوں نے اسے بہت مارا تھا۔ بالوں سے پکڑ کر اسے دھکا دیا تھا۔ بتایئے، کیا قصور تھا اس کا؟ نہ ہم لوگ اس دن سینما میں فلم دیکھنے جاتے اور نہ یہ سب ہوتا۔ وہ بہت ڈر گئی ہے۔ ذرا سے شور سے سہم جاتی ہے جی!" وہ بوڑھا شخص ساری داستان رو رو کر سنا رہا تھا۔ آغا اقارم حسین کچھ لمحے کے لیے سکتے میں ہی رہ گیا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان غریبوں و لاچار لوگوں پر اتنی جلدی، اتنے کم وقت میں یہ ساری مصیبتیں ٹوٹ چکی ہیں۔ یہ کیس اس کے لیے مزید گھمبیر ہوتا جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ اس کیس کی گواہ صرف یہی لڑکی ہے، جسے ہر ممکن طرح سے ان لوگوں نے ناکافی بنا ڈالا تھا۔

"دیکھیے بزرگوار! آپ لوگوں کے ساتھ جو ہوا، وہ اچھا نہیں ہوا ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ کی گئی زیادتی پر مجھے بے حد افسوس ہے۔ لیکن اب آپ بے فکر رہیے۔ آئندہ آپ لوگوں کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ لوگوں کو ہر طرح سے پولیس سیکورٹی دی جائے گی۔ آپ اپنی بھانجی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ اس کی ہر طرح حفاظت کا ذمہ میں لیتا ہوں آپ سے۔"

"دیکھیے صاحب جی! آپ تو میری بھانجی کو گواہ بنا کر لے جاؤ گے۔ مگر اس کے بعد کیا ہوگا؟ ہم بہت غریب و لاچار لوگ ہیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جی! اور پھر اگر میری بھانجی کو آپ لوگ لے جاتے ہو تو میری

برادری کے لوگ تو مجھ پر تھو تھو کریں گے۔ میری بھانجی کو اچھوت سمجھیں گے ہی اور ہماری برادری میں اچھوت کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ اسے ختم کر دیتے ہیں۔ میری بھانجی تو بے قصور میں ماری جائے گی۔ تو قیامت کے روز میں اپنی لاڈلی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہوں گا۔ صاحب جی! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، آپ ہمیں معاف کر دیں۔ میں واپس اپنے گاؤں اپنی بھانجی کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا۔" ڈی ایس پی آغا اقارم حسین، اس کی ایک ایک بات بڑے غور سے سن رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ اس شخص کی بھانجی اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں ایسی باتیں معیوب گنی جاتی ہیں، جہاں پولیس کی نہیں اپنی پنچایت کی مانی جاتی ہے۔ اور لڑکی کی عزت تو ویسے بھی نازک سے کانچ کی مانند ہے۔ جس پر ہلکی سی دراڑ بھی آ جائے تو وہ بھدا ہو جاتا ہے۔ کافی دیر سوچنے کے بعد آخر کار ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کو اس مسئلے کا فی الحال یہی حل نظر آیا تھا۔ جہاں بات بن جاتی اور کسی کی عزت بھی بچ جاتی۔

…بھی نے اس لڑکی کو معمولی سمجھ کر بہت ظلم کر لیے۔ …یہ نہیں ہوگا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر آغا اقارم حسین نے اس لڑکی کو اپنی شناخت دے دی تھی، اپنا نام اپنی … دے دی تھی۔ اسے اپنی عزت و آبرو بنا لیا تھا۔ اب وہ … کوئی معمولی، کوئی غریب، لاچار و بے بس لڑکی نہیں … بلکہ مسز آغا اقارم حسین کے عہدے پر فائز ہو چکی …

"صاحب! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا! کہ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا تھا۔ اس کی آنکھ سے خوشی جھلک رہی تھی۔ اس کے انداز پر آغا اقارم حسین دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

…معاملہ نہایت گھمبیر ہو گیا تھا۔ اس لڑکی کے ماما … سے اس نے نکاح نامے پر دستخط لینے کے بعد اس … کو رخصت کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ … اب اس کے دل و دماغ میں تو صرف اور صرف ڈر و خوف جڑ پکڑ کے بیٹھا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ صاحب جی اسے یہاں سے لے جائے گا۔ جس کے لیے وہ قطعی طور راضی نہ تھی۔

"مرے بھاگ بھری! اچھے تو نصیب ہی جاگ گئے۔ اب تو وہ انسپکٹر صاحب تجھے ہر حال میں اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔" ممانی کے ان روح فرسا لفظوں نے اس کے اوسان ہی خطا کر دیے تھے۔ وہ اپنی تمام ہوش و حواس گم کرتی چلی گئی تھی۔ اور وہیں چارپائی پر بے دم ہو کر گر پڑی تھی۔

"زین احمد اور رفعت جہاں! تم دونوں، اقبال صاحب اور ان کی بیوی، بچوں کو بحفاظت محفوظ مقام پر پہنچا دو۔" آغا اقارم حسین نے اپنے ساتھ آئے دونوں حوالداروں کو حکم دیا۔ اور پھر اقبال میاں سے مخاطب ہوا تھا۔

"اقبال صاحب! آپ ان کے ساتھ اپنا ضروری سامان لے کر جائیے۔ اور اب کسی بھی بات کی فکر مت کیجیے گا۔ آپ کی بھانجی اب محفوظ ہاتھ میں ہے۔ اس کا اب کوئی بال بھی بانکا نہیں کر سکتا ہے۔" اس نے ان کے ناتواں کندھے پر نرمی سے ہاتھ دھرا تھا۔ اور اسی کمرے میں چلا آیا تھا، جہاں وہ لڑکی یعنی اب اس کی منکوحہ ہے۔ پہلے کے لیے جو کچھ ہوا تھا، فی الحال آغا اقارم حسین یہ سب ابھی نہیں سوچنا چاہتا تھا، ابھی جو مسئلہ منہ پھاڑے کھڑا تھا وہ پہلے اسے حل کرنا چاہتا تھا۔

بے ہوش دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے نرم و نازک وجود کو آغا اقارم حسین نے اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر لیا تھا اور لا کر جیپ میں پہلے سے بیٹھی دو لیڈی پولیس کو تھما دیا تھا، صحت مند و تندرست لیڈی پولیس کے بیچ وہ وجود بالکل چھپ گیا تھا۔

"سرفراز! گاڑی "آغا ولا" لے چلو۔" اس نے جیپ کو اپنے بنگلے میں لے جانے کا حکم دیا تھا۔ تیس منٹ میں جیپ "آغا ولا" کے بڑے سے بلیک جالی گیٹ کے آگے رک گئی تھی۔ ڈی ایس پی آغا اقارم حسین نے ایک بار پھر بے ہوش وجود کو اٹھایا تھا اور اندر کی جانب قدم بڑھاتا چلا گیا

تھا۔

بلیک جالی گیٹ کے باہر اور اندر دو، دو بلیک ٹائیگر ڈوگز زنجیروں میں قید تھے۔ اسی طرح اندر اور باہر دس بارہ بلیک وردی میں ملبوس گارڈز بھی پہرا دے رہے تھے۔ آغا اقارم حسین جیسے جیسے اپنے کمرے میں بڑھ رہا تھا۔ سارے نوکر و گارڈز حیرت سے ملی جلی کیفیت سے بھرپور انھیں تک رہے تھے۔ سب کی آنکھوں میں، لبوں پر ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

آغا اقارم حسین نے اس لڑکی کو بڑے آرام سے اپنے روم کے کنگ سائز بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ اور اس پر اپنا بلینکٹ سینے تک ڈال دیا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنی اسٹک اور سر پر رکھی کیپ کو اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ اور سیدھا واش روم کی راہ لی تھی، جہاں اس کا انگوری شلوار، قمیص پہلے سے ہینگ ہوا تھا۔

فریش ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا، جہاں انکاجی سمیت تمام نوکر آغا اقارم حسین کے منتظر تھے۔

''انکاجی! کھانا تیار ہے تو پلیز جلدی سے لگوا دیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔'' صبح دس بجے سے رات کے نو بج گئے تھے اسے کچھ کھائے۔ آج کا سارا دن اس کا اقبال صاحب کے گھر گزرا تھا اسی پریشانی میں۔ ایک گھونٹ پانی کا نہ پیا تھا۔

''ہاں آغا بیٹے! بالکل تیار ہے۔ بس تمھارا ہی انتظار تھا۔'' انکاجی، آغا اقارم حسین کے دادا کے زمانے کے نوکر تھے۔ انھوں نے اقارم اور ان کے والد شہام کو اپنی ہی گود میں کھلایا تھا۔ اقارم ان کی دل سے عزت کرتا ہے۔ اسلام آباد سے وہ خود زبردستی اس کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ انھیں آغا اقارم حسین بہت عزیز تھا۔ بہت چاہتے تھے وہ اسے۔ اس لیے اسے کراچی اکیلے نہ بھیجا تھا۔

''آغا! وہ لڑکی کون ہے جسے تم اٹھا کے لاؤ ہو؟'' آخر کار انکاجی نے وہ سوال کر ہی ڈالا تھا، جو ان کے ساتھ ساتھ، پاس کھڑی وہ ملازمہ کو بھی تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، جسے وہ سننے کے لیے ہی کھڑی تھیں۔

''او مائی گاڈ! میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا۔ سوری انکاجی!'' آغا اقارم حسین نے کھانے پر سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''انکاجی وہ لڑکی آج سے اس گھر کی مالکن ہے۔ میری بیوی، اس سے آگے فی الحال ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا ہوں۔'' اس نے نیپکین سے ہاتھ صاف کیے اور مسکراتا ہوا کھڑا ہوا تھا۔ انکاجی اس کے جواب پر سکتے کی کیفیت میں ہو گئے تھے۔

''ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آغا شہام حسین کے اکلوتے سپوت کی شادی اس سادگی سے ہوگی۔ اس خاندان نے تو جانے آغا اقارم حسین کی شادی کے کیا کیا سپنے دیکھے تھے۔ انکاجی کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ آج ایک ہی دن ہوا ہے اسے کراچی میں پولیس ڈیوٹی جوائن کیے اور آج ہی یہ سب۔'' وہ ابھی تک اسی طرح سوچوں میں غلطاں کھڑے تھے۔ جبکہ اس دوران آغا اقارم حسین اپنے کمرے سے باہر ہو کر آ گیا تھا۔ اور ڈاکٹر عنبر زیدی کو اپنے گھر کال کر کے بلوا بھی لیا تھا۔

''انکاجی! میں جانتا ہوں کہ آپ کے اندر کیا جنگ چل رہی ہے۔ لیکن ابھی میری پریشانی اتنی ہے کہ میں آپ کو کچھ بھی بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اس وقت۔ لیکن جیسے ہی میرے مسئلے کا حل نکل آئے گا میں سب کو سب کچھ بتا دوں گا۔'' وہ بڑے پیار سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے انھیں سمجھا رہا تھا، جس پر انکاجی دھیرے سے مسکرا دیے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ یقیناً اس کے پیچھے کوئی ٹھوس وجہ ہوگی۔ ورنہ وہ آغا اقارم حسین کی رگ رگ سے واقف تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر عنبر زیدی بھی چلے آئے تھے۔

''ڈاکٹر! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا؟''

''ارے، نہیں آغا حسین صاحب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ان کے دل و دماغ پر کسی بات کا گہرا اثر ہوا ہے۔ آپ بے فکر رہیے۔ میں نے انجکشن دیدیا ہے وہ کور کر لے گا۔ انشاء اللہ، صبح تک بالکل ہوش میں آ جائیں گی۔'' ڈاکٹر

عبرزیدی چلے گئے تھے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ آغا اقارم حسین نے اس کے دونوں ہاتھ بلینکٹ کے اندر کر دیئے تھے۔ اور کمرے کی لائٹ آف کر کے اپنی اسٹڈی روم میں چلا آیا تھا۔

☆☆☆

''کیا رپورٹ ہے؟ انسپکٹر حسین! میں نے سنا ہے آپ نے اس لڑکی سے شادی کر لی ہے؟'' کمشنر شریف حیات سامنے میز کے اس پار کرسی پر براجمان ڈی ایس پی آغا اقارم حسین سے مخاطب تھے۔

''سر! مجھے اس کیس کو ہینڈل کرنے میں ایک مہینہ درکار ہے۔'' دوسری بات اس نے جان کر اگنور کر دی تھی۔

''ایک مہینہ؟ یہ تو بہت ہے۔ دیکھیے آغا حسین! میں نے یہ کیس بالخصوص صرف آپ کو اس لیے دیا ہے کہ آپ بے حد ذہین و فطین ہیں۔ بہت بڑے بڑے پیچیدہ کیسز آپ نے بہت کم وقت میں حل کیے ہیں۔ اور اسے انجام تک پہنچائے ہیں۔ تو پھر اس میں اتنا وقت کیوں؟'' وہ بہت آرام دہ لہجے میں اس سے بات کر رہے تھے۔

''اچھی لی سر! یہ کیس میرے پہلے کیسز کی طرح بہت الگ، بلکہ ٹوٹلی ڈیفرنٹ ہے۔''

''ڈیفرنٹ ہے۔ ہارڈ تو نہیں نا؟'' وہ مسکرا کے بولے تھے۔

''آف کورس سر! ناٹ ہارڈ۔'' آغا اقارم حسین بھی ان کی بات پر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''اوکے، پھر آپ اس کیس کو حل کریں۔ میں آپ کو ایک مہینے کی پرمیشن دیتا ہوں۔ بٹ ریمیمبر، مجرم رافیل بھٹی ایک بڑے صنعت کار عباد بھٹی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' وہ چیئر کی بیک سے ٹیک لگا کر بولے تھے۔

''آئی نو سر! ہم پولیس والوں کا تو کام ہی مشکلات سے نمٹنا ہے۔'' آغا اقارم حسین نے میز پر رکھی اپنی کیپ سر پر رکھی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اوکے سر! آل دی بیسٹ۔'' کمشنر شریف حیات کو سیلوٹ مارا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، جسے انھوں نے بڑی گرم جوشی سے تھاما تھا۔ اور پھر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''کاش، آپ جیسے اونسٹ پولیس آفیسرز ہر ڈیپارٹمنٹ میں ہوں۔'' کمشنر شریف حیات آغا اقارم حسین کے جانے کے بعد خود سے بولے تھے۔

''سر! اس کیس میں سب سے مشکل محرک کیا ہے؟'' انسپکٹر فاران نے بلیک فائل میں مصروف ڈی ایس پی آغا اقارم حسین سے پوچھا تھا۔

''اس میں مشکل تو کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف تھوڑی محنت کی ضرورت ہے۔ اینڈ ایم شیور، یہ کیس بھی میرے اور کیسز کی طرح بہت سکسس فل رہے گا۔'' وہ بہت دوستانہ موڈ رکھتا تھا۔ خوامخواہ کا جونیئر پر اپنا بے وجہ رعب جھاڑنا اسے پسند نہ تھا۔ یا سینئر سے بدمزاجی رکھنا وہ بہت برا سمجھتا تھا۔ اپنی کامیابی پر انھیں بھی شامل کرتا تھا۔ بجائے گھمنڈ کرنے پر خوش ہوتا تھا۔

''تو پھر سر! آپ اس لڑکی۔'' انسپکٹر فاران کے یہ کہنے پر اس نے بلیک فائل سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ جس پر وہ گڑبڑا کے رہ گیا تھا۔

''سوری سر! میرا مطلب ہے کہ آپ اپنی مسز سے بڑی آسانی سے گواہی دلوا سکتے ہیں۔''

''کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہے۔ اس کے ماما تا رہے تھے کہ وہ کافی ڈری ہوئی ہے۔''

''سر! ڈرنے کی وجہ؟'' جانے وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ جبکہ آغا اقارم حسین بہت گہری سوچوں میں سفر کر رہے تھے۔ جس پر انسپکٹر فاران نے ایک بار پھر پکارا تھا۔

''آں...... ہاں، وہ فائرنگ، شور وغیرہ سے اس کے دماغ کو کافی شاک پہنچا ہے۔'' اس بات کو سن کر انسپکٹر فاران کے لبوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ رینگی تھی، جو آغا اقارم حسین اپنی سوچ میں دیکھ نہ سکا تھا۔

☆☆☆

"ہوش آ گیا بیگم صاحبہ کو؟" وہ ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہو کر بیٹھا تھا۔ ابھی تک اس لڑکی میں الجھا ہوا تھا۔ کمرے میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسے سوال کرے۔

"آغا صاحب! ہوش میں تو وہ صبح ہی آ گئی تھیں۔ لیکن وہ پھر سے کمرے میں نہیں آ رہی ہیں۔ میں ناشتہ لے کر گئی تھی لیکن" [illegible] وہ ڈری ہوئی ہیں۔" [illegible] سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ تم ناشتہ تیار کر کے کمرے میں لے آؤ۔" وہ ملازمہ کی ادھوری بات سمجھ گیا تھا۔ اٹھ کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ کمرے کا جائزہ لیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ آخرکار [illegible] نظر نے اس کا [illegible] تھا۔ بائیں سائیڈ پر رکھی کتابوں سے بھری الماری کا [illegible] جس کے دیوار کے ساتھ تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑ رکھی تھی۔ جہاں ایک شخص آرام سے آ سکتا تھا۔ آغا اکرام حسین ہولے سے مسکراتا ہوا اس سمت بڑھا تھا۔ جہاں وہ سمٹی کھڑی تھی۔

"ہیلو۔" آغا اکرام حسین [illegible] مسکرا رہا تھا۔ پولیس وردی میں دیکھ کر اس کے تو اوسان ہی خطا ہونے لگے تھے۔

"ن... نہیں... میں کچھ نہیں جانتی ہوں۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" پولیس یونیفارم میں ملبوس لمبے چوڑے بندے کو دیکھ کر اس کے بے ربط جملے شروع ہو گئے تھے۔ آنکھوں میں بے پناہ خوف چھپائے کپکپاتے لبوں سے وہ اس کو تک رہی تھی۔ اتنا تو آغا اکرام حسین کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسے پیار سے، اپنائیت، محبت سے ہی اس کی بگڑتی حالت سنوار سکتا ہے۔ ورنہ غصہ، جھنجلاہٹ، جبر یہ سب اس نازک لڑکی کی جان بھی لے سکتے ہیں۔

"لیکن میں تو تم سے کچھ نہیں پوچھ رہا ہوں۔ اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟ ابھی تک مجھے تمہارا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے بھئی!" اس کا ذہن، اس کا سارا جسم اس وقت نہایت تھکاوٹ سے چور تھا۔ لیکن پھر بھی اسے خود کو اس ڈری سہمی لڑکی کے سامنے فریش رکھنا تھا۔ آغا اکرام حسین کے پوچھنے پر صرف یہ ہوا تھا کہ وہ چپ ہو گئی تھی۔

[illegible]

"[illegible]" وہ مجھے [illegible] ہو گی۔" [illegible]

"[illegible]" [illegible] صاحب [illegible]

"[illegible]" [illegible] آغا اکرام حسین نے [illegible]

[illegible] صاحب جی [illegible] نظر انداز [illegible]

[illegible] اس کے ایک [illegible] آغا اکرام حسین [illegible]

"اچھا، یہ بتاؤ کہ [illegible]" اس نے بات بدلتے ہوئے [illegible] تھا۔

"[illegible] صاحب جی [illegible] گی۔" [illegible]

"صاحب جی" [illegible] آغا اکرام حسین [illegible] تھا۔

"میرا نام آغا اکرام حسین ہے۔ سب مجھے آغا حسین کہتے ہیں۔ لیکن اکرام میں صرف تمہارے لیے ہوں۔ اب سے تم مجھے اکرام کہو گی۔ کیا کہو گی؟" [illegible] کپکپاتے لبوں سے بتا دی تھی۔

"ا... ا... اکرام صاحب جی" وہ نہایت

...ے ہوئے بولی تھی۔

"آغا، آغا۔ اکرام صاحب نہیں بھی نہیں صرف اکرام۔" [illegible] ے پر آئی اس کی بھنوئی، بڑی باتوں [illegible] کے پیچھے [illegible]

"اکرام جی!"

"اف او، پھر تم نے "جی" کی دم لگا دی۔ بھئی! [illegible] ے لبوں سے میں صرف اکرام سننا چاہوں گا۔ [illegible]" آغا اکرام حسین نے اپیا [illegible] ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"چلو آؤ، وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔" [illegible] کے ساتھ [illegible] پر آ بیٹھا تھا۔ [illegible] ہاتھ [illegible] اندر آ گئے تھے۔ جن میں جام [illegible] اور وہ [illegible] چاہے لگی تھی۔ [illegible] دونوں کے [illegible] لگا دی گئی۔

"[illegible] لگاتی ہیں۔" [illegible]

[illegible]

[illegible] آغا اکرام حسین، اپیا [illegible] خود [illegible]

"[illegible]" اپیا [illegible] سے [illegible] تھا۔ [illegible] آغا اکرام حسین کی [illegible] لیا تھا۔ [illegible] آغا اکرام حسین نے [illegible]

[illegible] اس کے [illegible] ہاتھ [illegible] لیا تھا۔

[illegible] ہیں [illegible] مجھے [illegible] ہوں۔" [illegible] اس نے اپیا [illegible] میں [illegible]

[illegible] تھا۔ وہ [illegible] کے [illegible] [illegible] کی کا صرف ایک [illegible] تھا اس نے [illegible] پیچھے کر دیا تھا۔

[illegible] کے پاس جاتا ہے۔" وہ اس سے [illegible] آغا اکرام حسین نے ہاتھ میں [illegible] [illegible] ساری [illegible] [illegible] کے [illegible] کے [illegible]

جس کا [illegible] جارحت کا آنچل [illegible] بچھا ہوا تھا۔ جو جانے کتنے دنوں سے اس کے [illegible] کی زینت بنا ہوا تھا۔ [illegible] کپڑوں میں اس کے چہرے سے [illegible] اس کی آنکھوں سے خوف ہویدا تھا۔ باتوں میں بھی شاید بہت دنوں سے [illegible] نہیں کی گئی تھی۔ اس کا [illegible] اس بات کی [illegible] کر رہا تھا کہ وہ اس [illegible] سے بہت خوفزدہ ہے [illegible] ڈری ہوئی ہے۔ آنکھوں میں خوف لیے وہ آغا اکرام حسین کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اس کے [illegible] چل [illegible] آغا اکرام حسین کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ [illegible] اس حال میں لانے کے لیے [illegible] تھا۔

"تم جانتی ہو [illegible] ہے۔ [illegible] بیٹھے ہیں۔" وہ [illegible] تھا۔

"[illegible]" [illegible] میں سے [illegible] اپنی [illegible] کی [illegible] کے پاس [illegible] تھا۔

"[illegible]" [illegible] آغا اکرام [illegible] سے [illegible] تھا۔

"[illegible]"

"تو کیا میں [illegible] رہوں گی؟" [illegible] سے [illegible] آغا اکرام حسین ہوتے [illegible] تھا۔

"یہاں تو نہیں رہو گی۔ ہاں ساری زندگی صرف صرف میرے ساتھ، میرے پاس رہو گی۔ بالکل میرے قریب۔" آغا اکرام حسین نے اسے ایک ہی نشست میں اپنی سمت کھینچا تھا۔

"[illegible] کی طرح [illegible] سوچ میں کر [illegible] گے کیا [illegible]؟" آغا اکرام حسین نے اسے [illegible] سے [illegible] کرانے لگا تھا۔

السلام علیکم

ہمیں اپنے نئے بلاگ (ویب سائیٹ) کے لئے رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ممبر ناول، افسانہ، ناولٹ لکھنا چاہے تو ہم سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتہ کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمیں ای۔ میل کریں یا ان بکس میں میسج کریں۔

شکریہ

Email Address:- aatish2kx@gmail.com

آغا اکرام حسین کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ بہت جلد کسی کو بھی اپنا گرویدہ کر لیا کرتا تھا۔ اور پھر سامنے تو ایک نازک سی کانچ کی مانند لڑکی تھی، جو اس کی بیوی ہے، اس کی مسکراہٹ تو کیسے نہ وہ اسے اپنے دل کے نہاں خانوں میں بٹھاتا۔

☆☆☆

''حیات صاحب! آپ بالکل بے فکر رہیے۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں نا فکر کرنے کے لیے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بیٹے کو میں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' انسپکٹر فاران نے دروازے کے اس پار ایک بار پھر جھانک کر دیکھا تھا کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔

''ڈی ایس پی آغا حسین نے صرف ایک ماہ کی مہلت مانگی ہے۔ اور آپ دیکھیے گا کہ وہ اس کیس میں ناکام ہی رہے گا۔ میں اس مہینے اس لڑکی کو اس قابل چھوڑوں گا ہی نہیں، کہ وہ عدالت میں عباد بھٹی حیات کے خلاف کوئی گواہی دے سکے۔'' انسپکٹر فاران کے لبوں پر بڑی خبیث مسکراہٹ تھی۔

''انسپکٹر فاران حسین جو کرنا ہے جلدی کرو، کیونکہ میں زیادہ دن تک اپنے بیٹے کو حوالات میں سلاخوں کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا ہوں۔'' ریسیور کے اس پار راحیل بھٹی حیات نے ذرا تیز لہجے میں کہا تھا۔

''ارے ارے، دھیرج حیات صاحب! دھیرج، ظاہر ہے کریں گے۔ کیوں نہیں کریں گے آخر کو دس لاکھ کا معاملہ ہے بھئی!'' وہاں راحیل بھٹی حیات نے زور سے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔ جس پر انسپکٹر فاران نے ریسیور اپنے کان سے چونک کر پیچھے کیا تھا۔ اور اب ریسیور کو ہاتھ میں تھامے اسے گھورنے لگا تھا۔

''ارے حیات صاحب! اگر آپ جیسے لوگ ہمارا خیال رکھنے کے لیے نہ ہوں اس معاشرے میں، تو جانے ہمارا کیا حال ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر بڑے آرام سے رکھا تھا۔

''انسپکٹر فاران! کس کا فون تھا؟'' اس کے انداز کو اندر داخل ہوتے آغا اکرام حسین نے بڑے غور سے دیکھا تھا۔

''س... سر! کسی کا نہیں تھا سر!'' وہ اس کی ... بڑبڑاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اوکے، اوکے۔ لیکن آپ اتنا گھبرا کیوں رہے ہیں؟ اور ماتھے پر یہ پسینہ کیسا ہے؟'' آغا اکرام حسین نے جانچتی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا، کیونکہ اس کی ایسی تھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہو۔

''اصل میں سر یہاں گرمی بہت ہے، شاید اسی ... ہے۔''

''اٹی ویز، آپ یہ فائل لیجیے اور اس کا اچھی طرح اسٹڈی کرنے کے بعد اس جگہ کا سروے کر آئیے۔ اور ... مجھے کل شام تک اس کی رپورٹ دیجیے گا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی ریڈ فائل انسپکٹر فاران کو تھمائی تھی۔

''اوکے سر! ہو جائے گا۔'' آغا اکرام حسین پھر وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد انسپکٹر فاران نے وہ ریڈ فائل میز پر پھینکی تھی۔ اور دھم سے اپنی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔ ایک لمبی سی سانس شکر کی لی تھی۔

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے۔ آغا اکرام حسین اپنی اسٹڈی روم میں بیٹھا ایزی چیئر پر کوئی بک ہاتھ میں لیے پڑھ رہا تھا۔ جو کہ اس کا روز کا معمول تھا، بلکہ اب تو اس کی عادت بن گئی تھی کہ سونے سے پہلے وہ کسی اچھی سی بک کا تھوڑی دیر مطالعہ ضرور کیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اپنے مشغلے میں مصروف عمل تھا۔ جبھی فائرنگ کی تیز آواز کانوں میں پڑی تھی۔ اس اچانک افتاد پر وہ لمحے بھر کے لیے گھبرا گیا تھا۔ جلدی سے بک میز پر رکھی تھی اور باہر کی سمت بھاگا تھا۔

''اکا جی! یہ باہر کیا ہو رہا ہے؟'' وہ لاؤنج میں سے کھڑے اکا جی سے پوچھنے لگا تھا۔

''بیٹا آغا! میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' تھوڑی دیر میں بلیک وردی میں ملبوس گارڈ اندر آیا تھا۔

''آغا صاحب! کچھ لوگ ہمارے گھر کے پاس ہوائی فائرنگ کر رہے ہیں۔''

''لیکن کیوں؟''

''آغا صاحب! یہ تو میں نہیں جانتا اور نہ ہی وہ بتا رہے ہیں۔''

''اوشٹ!'' آغا اقارم حسین کا دھیان اچانک اجیارہ کی سمت گیا تھا۔

''تم جلدی سے جاؤ۔ اور انھیں روکو۔ اگر نہ رکیں تو دھکے دے کر اس ایریا سے باہر نکالو۔'' وہ جلدی جلدی کہتا ہوا، اپنے کمرے کی سمت بھاگا تھا۔ وہی ہوا جس ڈر تھا۔ اجیارہ شیلف کے کونے میں دبکی، ڈری، سہمی دیوار سے بالکل چپکی ہوئی تھی۔

''اجیارہ!'' اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

''اق..... اقارم! وہ..... وہ فائر..... فائرنگ اقارم! وہ لوگ..... وہ لوگ مجھے مار دیں گے۔ وہ مجھے مارنے آئے ہیں۔'' اجیارہ اسے سامنے پاتے اس کے سینے سے جا لگی تھی۔

''اقارم! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ آغا اقارم حسین صحیح معنوں میں ایک بار پھر پریشان ہو گیا تھا۔ اتنی مشکلوں سے اس نے اجیارہ کو سمیٹا تھا اور وہ پھر بکھر کے رہ گئی تھی۔

''اجیارہ! میری بات سنو۔'' وہ اسے خود سے الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس کے لیے وہ قطعی راضی نہ تھی۔

''اجیارہ!'' اس نے کچھ دیر خاموشی کے بعد ایک بار پھر دھیمے سے پکارا تھا۔ اس دوران اب فائرنگ بھی بند ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اس کی مضبوط بانہوں میں کپکپا رہی تھی۔ آخر کار آغا اقارم حسین نے اپنے مضبوط بازوؤں میں اس نازک پیکر کو بھر لیا تھا۔ اور آرام سے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ آغا اس نے تمام بندھن، تمام بندشیں توڑ دیں تھیں۔ آج اس نے اپنے جذبات کے بے قابو گھوڑوں کی لگام کی تکمیل آزاد کر دی تھیں۔ آج رات آغا اقارم حسین نے اجیارہ کو اس کے ڈر و خوف کو خود میں سمیٹ لیا تھا۔ تمام دیواریں توڑ کر دوریاں نزدیکیوں میں بدل ڈالی تھیں۔

''اسے انھیں مسکرانا و سکرانا نہیں آتا کیا؟'' وہ آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ جانے اس کے دل نے کیا کہا تھا کہ وہ بیڈ کے پاس کھڑی پلکوں کی باڑ گرائے، لبوں کو دانتوں سے کچلتی، انگلیوں کو آپس میں بے دردی سے رگڑتی اجیارہ کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''جی۔'' وہ آنکھوں میں معصومیت لیے اسے تکتی چلی گئی تھی۔

''میں نے کہا، تمھیں مسکرانا نہیں آتا؟ بھئی! میں آفس جا رہا ہوں۔ اور شوہر کے آفس جانے پر بیوی کے کچھ فرائض ہوتے ہیں۔''

''وہ کیا ہوتے ہیں؟ جی!''

''اف! یعنی اب وہ بھی سکھانا پڑے گا؟ اوکے، تو ابھی سکھا دیتے ہیں۔'' آغا اقارم حسین نے ہاتھ میں پکڑی کپ بیڈ پر رکھی تھی۔ اور دونوں ہاتھوں کے پیالوں میں اس کا چھوٹا سا چہرہ بھر لیا اور اس چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا۔ اس کی گستاخی پر اجیارہ سٹپٹا کر دو قدم دور پیچھے ہٹی تھی۔ آغا اقارم حسین نے مسکراتے ہوئے کپ اٹھائی تھی۔ اور ایک نظر اس کو دیکھتا ہوا وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

اجیارہ کی سہولت کے لیے آغا اقارم حسین نے اپنا مشترکہ کمرہ اوپر سیٹ کروا لیا تھا۔ جہاں کے دروازے اور کھڑکی ساؤنڈ پروف لگوائے تھے۔ اس لیے باہر کا معمولی سا شور بھی نہیں سنا جا سکتا تھا۔ اجیارہ صبح سے رات تک اسی کمرے میں رہتی تھی۔ اکا جی صبح کا ناشتہ دے جاتے تھے، جو آغا اقارم حسین اور اجیارہ ساتھ مل کر کرتے تھے۔ دوپہر کو وہ بالکل نہیں کھاتی تھی۔ اس لیے رات آغا اقارم حسین اسے بڑی محبت سے خود اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا، کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ اجیارہ کھانے پینے کے معاملے میں بہت چور ہے۔

☆☆☆

''میں چاہوں تو تمھیں یہ دس کروڑ رشوت دینے کے جرم میں اندر کر سکتا ہوں۔ مگر نہیں، میں جانتا ہوں تم نادان ہو، ناعقل، جو اپنے مالک کے حکم پر مجھ جیسے ایماندار و بہادر آفیسر کو یہ نظرانہ پیش کرنے چلے آئے ہو۔'' آغا اقارم

حسین بڑے آرام سے اپنی پشت بیک ریسٹ سے ٹکائے براجمان تھا۔ اور سامنے راحیل حیات کا آدمی کھڑا تھا۔ جس نے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس میز پر ڈی ایس پی آغا اقدام حسین کے آگے کھول کر رکھ دیا تھا، جو کہ بقول اس کے، ''پچھتر، معمولی سا اس کی بہادری کا تحفہ ہے۔''

''جاؤ، اسے واپس لے جاؤ۔ اور راحیل حیات سے کہنا کہ وہ اور پولیس آفیسرز ہوں گے جو تم جیسے بزدل کی غلامی کرتے ہیں اور اپنا سر تسلیم خم کرتے ہیں۔'' آغا اقدام حسین اپنی چیئر سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کی لالی تھی، آنکھوں میں ایک طرح کا عزم بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔

''اور ایک بات اور۔'' بریف کیس بند کر کے لے جاتے شخص کو، آغا اقدام حسین نے ایک بار پھر روکا تھا۔ ''اس سے کہنا کہ وہ یہ روپے سنبھال کر رکھے اس کے بیٹے کے کفن کے لیے کام آئیں گے۔ اور اگر یہ بھی کم پڑے تو اس سے دوگنی رقم مجھ سے لے لے۔ آؤٹ!'' وہ اپنی چیئر پر واپس بیٹھ گیا تھا۔ اور میز سے ریڈ فائل اٹھائی اور اسے کھول کر پڑھنے لگا تھا۔ وہ فائل پڑھنے میں مگن تھا جبھی آغا اقدام حسین کا موبائل بیل چیخ پڑا تھا۔ موبائل اسکرین پر نام دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر رکھی تھی۔ اور اوکے کا بٹن پش کر کے کان پر لگایا تھا۔

''السلام علیکم ڈیڈا!'' خاصی گرم جوشی سے سلام کیا گیا تھا۔ جس کا اسی گرم جوشی سے جواب بھی آیا تھا۔

''آپ کیسے ہیں؟ اور وہاں کے حالات سازگار کیسے ہیں؟'' وہ مسکراتا ہوا بولا تھا۔

''ہم تو ٹھیک ہیں، لیکن حالات سازگار کافی ناسازگار ہیں۔ جسے ٹھیک کرنے کی تگ و دو میں ہم ادھ موئے ہوئے جا رہے ہیں۔'' ان کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ آغا اقدام حسین کو اپنے بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ پا سکا تھا۔

''او ڈیڈا! آپ تو جانتے ہیں کہ یہاں کا مسئلہ کتنا گھمبیر و پیچیدہ ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے جان اگر یہاں کا مسئلہ بھی تو بہت بگڑتا جا رہا ہے۔'' انھوں نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''اچھا ایک بات تو بتاؤ؟ وہ لڑکی کیا بہت خوبصورت ہے؟ جس کے پیچھے آپ نے اپنی مما کی پسند کی گئی تمام حسین و الٹرا ماڈرن لڑکیوں کو ریجیکٹ کر دیا ہے۔'' وہ دونوں باپ، بیٹے کم اور دوست زیادہ تھے ایک دوسرے کے۔ اس لیے اپنی ہر پرابلم ایک دوسرے سے شیئر بھی کرتے۔ اور اسے ڈسکس بھی کیا کرتے تھے۔

''تو ڈیڈا میں نے نہ تو اس کی خوبصورتی دیکھ کر اس سے شادی کی ہے۔ اور نہ ہی اس کی خوب سیرتی۔ ڈیڈا میں نے اسے عزت دینے کے لیے، اسے تحفظ دینے کے لیے اس سے شادی کی ہے۔ معاشرے میں ایک مقام دینے کے لیے، اسے اپنا نام دیا ہے۔ اور ڈیڈا جانتے ہیں اتنے کم وقت میں وہ لڑکی آپ کی جان کی رگ جان بن چکی ہے۔'' اجیارہ کے ذکر پر، جب سے اس کی آنکھوں اس کی شبیہ اتری تھی۔ جس پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''ڈیڈا! پلیز آپ مما کو سمجھائیے۔'' اس نے بڑی آس سے ریکویسٹ کی تھی۔

''مائی چائلڈ! آج کل ہم اپنا لیب چھوڑ کر اسی کام پر تو لگے ہیں۔ مجھے فخر ہے اپنے ہونہار بیٹے پر جس نے نیک نیتی کے تحت اس لڑکی کو اپنایا ہے۔ لیکن اقدام تمھاری مما کا بھی غصہ کرنا بجا ہے۔ آخر کو ان کے ارمانوں پر آپ نے پانی جو پھیر دیا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولے تھے۔

''اینی ویز، آپ وہاں کا پرابلم جلد از جلد سولو کریں۔ میں یہاں آپ کی مما کو سنبھالتا ہوں۔''

''او تھینک یو! ڈیڈا یو آر سو گریٹ۔'' کتنی ہی دیر تک ان دونوں نے ایک دوسرے سے ادھر ادھر کی مزید باتیں کی تھیں۔

وہ شام کے سات بجے گھر میں داخل ہوا، تو اکاجی کو بے صبری سے انتظار میں ٹہلتا ہوا پایا تھا۔

''ارے، اکاجی! خیریت کیا ہوا؟'' وہ ان کی پریشانی بھی بھانپ گیا تھا، جو ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"آغا بیٹے! آ گئے تم۔ بیٹا! دلہن بیٹیا بہت ڈری ہوئی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں رو رہی ہے۔ دونوں ملازمائیں گئی تھیں اس کے پاس۔ مگر دلہن بیٹیا نے انہیں اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ رو رو کے ہلکان ہو گئی ہے بچی۔" وہ دن بھر کی تمام روئیداد بڑی بے تابی سے اس کے گوش گزار کر رہے تھے۔

"آج دوپہر کو فون آیا تھا۔ ملازمہ سے کہا کہ مسز اجیارہ کو بلایئے۔ جب سے اس نے فون سنا ہے۔ وہ ریسیور پھینک کر بھاگتی ہوئی کمرے میں بیٹھی، ابھی تک رو رہی ہے۔"

"فون کس کا تھا؟" اب اسے مزید فکر کے ساتھ ساتھ، تشویش بھی ہونے لگی تھی۔

"آغا بیٹا! یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

"اچھا، آپ زیادہ فکر مت کریں۔ میں دیکھتا ہوں۔ آپ جایئے آرام کیجیے۔" وہ جلدی سے اوپر کمرے میں آیا تھا۔

"اقارم! اقارم! آپ اتنی دیر میں کیوں آئے؟" قدموں کی آہٹ پر اجیارہ دوڑتی ہوئی، آغا اقارم حسین کے سینے سے لگی تھی۔

"جان اقارم! کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ؟" وہ اس کا سر بڑے پیار سے سہلا رہا تھا۔

"اق—— اقارم! وہ—— وہ مجھے اس مشین میں ایک آدمی بول رہا تھا۔" وہ روتی ہوئی اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"مشین؟" آغا اقارم حسین نے لفظ مشین پر غور کیا تھا۔ وہ کسی عام چیز کو وہ مشین بول رہی تھی جس پر اس نے اپنا بے ساختہ ابھرنے والے قہقہے کو بمشکل کنٹرول کیا تھا۔ اور پھر اس کا روتا ہوا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنے سینے سے ہٹایا تھا۔

"اقارم! وہ—— وہ کہہ رہا تھا کہ—— کہ—— وہ" رونے کی وجہ سے لفظ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اقارم اسے اپنے ساتھ لیے بیڈ تک لایا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر پانی سے بھرے کانچ کے جگ سے گلاس کو بھرا اور اسے پلانے لگا تھا۔ جسے پینے کے بعد اس کے آنسوؤں میں کچھ کمی آئی تھی۔

"اب مجھے آرام سے بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟" آغا اقارم حسین نے گلاس واپس میز پر رکھ دیا تھا۔

"وہ...... وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے مار دے گا، اگر میں نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو وہ مجھے بھی مار دے گا۔" بولنے کے بعد اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ کچھ دیر تک آغا اقارم حسین اس کے روتے وجود کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔

"آخر کون ہو سکتا ہے؟" اس کی سوچ تیزی سے کام کر رہی تھی۔ پھر اپنی سوچوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے، اس کے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹائے تھے۔ اس کا آنسو سے بھرا چہرہ اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔

"تم جانتی ہو تم کون ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا تھا۔ "تم ایک مشہور سائنسدان آغا شہام حسین کی بہو اور جانباز ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کی بیوی، تمہیں نقصان پہنچانے کے بارے میں وہ لوگ ایک ہزار بار بھی سوچیں تو کم ہے۔ اس لیے کسی میں اتنی ہمت و جرأت نہیں کہ وہ تمہارا بال بھی بانکا کر سکے۔" کہتے کہتے اس نے اپنے سر پر رکھی پولیس کیپ اتار کر اس کے سر پر رکھ دی تھی۔

"اس لیے تمہیں بھی کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوکے۔" کتنی ہی دیر تک وہ اسے بہلاتا رہا تھا۔

رات کے ایک بجے تھے آغا اقارم حسین کھڑکی کے پاس رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھا بک کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اور اجیارہ بیڈ پر بلینکٹ کو سینے تک اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سکونیت تھی، ہر فکر و غم سے آزاد، وہ آنکھیں بند کیے سپنوں کی حسین وادیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ باہر سے بہت سارے لوگوں کے چیخنے، چنگھاڑنے، چلانے کی نہایت ہیبت ناک آوازیں آ رہی تھیں، جو کہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ آغا اقارم حسین نے آج کھڑکی کے دونوں پٹ کھول رکھے تھے تاکہ کچھ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے بھی

لطف اندوز ہو سکے۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آج یہ سب اچانک ہو جائے گا۔ آغا اقارم حسین ڈرائنگ ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور آ کر کھڑکی کے پاس باہر دیکھنے لگا تھا۔ لیکن شور میں کمی کے بجائے مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اجیارہ کی آنکھ بڑبڑا کر کھل گئی تھی۔ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ بھلی سی ٹھنڈک میں بھی وہ پسینے میں نہا گئی تھی۔ آنکھوں میں وحشت نے جگہ بنا لی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے اپنی تیز رفتار سے چلتی دھڑکن کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس شور میں آغا اقارم حسین کی نظر ایک شخص پر پڑی تھی، جس کی نظریں اسی کھڑکی کی طرف تھیں۔ غور سے دیکھنے پر اس نے محسوس کیا کہ ان سب لوگوں کا رخ اسی بنگلے کی طرف ہے۔ آغا اقارم حسین کو لمحے میں ساری کہانی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنی گردن کا رخ بیڈ کی سمت کیا تھا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی کے دونوں پٹ بند کیے تھے اور سرعت میں اس کانپتے وجود کی طرف بڑھا تھا۔ پل بھر میں بکھرتے وجود کو سمیٹا تھا۔ کال کر کے گارڈز کو آرڈر دیا۔

''چاروں بلیک ڈوگز ان پر چھوڑ دو۔ یعنی وہ لوگ جانتے ہیں کہ اجیارہ ان سب چیزوں سے خوفزدہ ہے۔ پہلے ہوائی فائرنگ، پھر نیلی فون پر دھمکی، اور اب یہ بے ہنگم شور، تو وہ لوگ اجیارہ کو مینٹلی ڈسٹرب کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ سوتی ہوئی اجیارہ کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ اور ساتھ اس کی سوچیں ان سب باتوں کے گرد بھی گردش کر رہی تھیں۔

''نہیں، راحیل بھٹی! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں بے پناہ نفرت اتر آئی تھی راحیل بھٹی کے خلاف۔

☆☆☆

آغا اقارم حسین بیڈ پر نیم دراز ہاتھ میں بلیک فائل تھامے اسے بغور پڑھ رہا تھا۔ اس کے پاس بیٹھی اجیارہ دوزانو بیٹھی اس کے موبائل سیٹ کے بٹن سے کھیل رہی تھی۔ موبائل کی بپ زور سے بجی تھی اجیارہ کی ڈر کے مارے زور سے چیخ نکل پڑی تھی۔ اسی ڈر میں موبائل سیٹ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ آغا اقارم حسین نے ہنستے ہوئے موبائل سیٹ کو اٹھایا تھا۔ سہمی ہوئی اجیارہ کو مسکرا کے دیکھا۔ اور پھر اوکے کا بٹن پش کر دیا تھا۔

''ہیلو ڈیڈ!'' اجیارہ اب بڑے غور سے اسے موبائل پر بات کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہاتھ میں تھامی اس چھوٹی سی مشین میں سے آدمی کیسے بول سکتا ہے؟ جبکہ آغا اقارم حسین کی نگاہیں بدستور اسی حیران و پریشان اجیارہ پر مرکوز تھیں۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد موبائل آف کر دیا تھا۔ جب ہی اجیارہ اچانک بول پڑی تھی۔

''اس مشین میں سے بھی کوئی بولتا ہے؟'' آغا اقارم حسین اس کی اس معصوم بات پر زور سے ہنسا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کی وائف اس قدر معصوم بھی ہو سکتی ہوگی۔ جو اتنی عام سی چیز کو نہیں جانتی ہے۔

''اقارم! میں بھی سنوں گی۔ مجھے بھی سنائیں ناں۔'' اس کی اس نرالی خواہش سے وہ بہت لطف اندوز ہوا تھا۔ اسے اجیارہ پر اس وقت ڈھیروں پیار آیا تھا۔

''تم ڈرو گی تو نہیں؟'' اجیارہ نے فوراً گردن ادھر ادھر نفی میں ہلا دی تھی۔

وہ آغا اقارم حسین کی موجودگی میں اب بالکل بھی ڈرا نہیں کرتی تھی۔ جب ہی آغا اقارم حسین نے سونگ ریکارڈنگ کا بٹن پش کر دیا تھا۔ اور اجیارہ کو ہاتھ بڑھا کر اپنے نزدیک کھینچا تھا۔ پھر اس کے کان پر موبائل لگا دیا تھا۔ جس پر کوئی سونگ چل رہا تھا۔ اجیارہ نے موبائل پر ہاتھ رکھا اور اپنا سر آغا اقارم حسین کے بازو پر دھر دیا تھا۔ وہ بڑے مزے سے موبائل پر سونگ سن رہی تھی۔ آغا اقارم حسین نے اسے پیار بھری نظر سے دیکھنے کے بعد ایک بار پھر اس بلیک فائل میں گم ہو گیا تھا۔ جسے فون سنتے سے بیڈ کے سائیڈ پر رکھ دی تھی۔ کم از کم پندرہ بیس منٹ ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے بازو پر دھرے اجیارہ کو دیکھا تھا، جس کی آنکھیں اب

تھیں۔ شاید وہ سو گئی تھی۔ آغا اکرام حسین نے اس کے ہاتھ سے موبائل اٹھایا۔ اسے آف کر کے رکھا تھا۔ اور پھر آرام سے اس کے سر کو تکیے پر دھرا تھا۔ سوتی ہوئی وہ معصوم و بھولی بھالی سی لگ رہی تھی۔ آغا اکرام حسین نے اس کے ماتھے پر آہستہ سے بوسہ لیا تھا۔ اور ٹیبل لیمپ کو بجھا کر وہاں سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس رکھی راکنگ چیئر پر آ بیٹھا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا آخر یہ کیس کیسے حل کروں؟ اجیارہ جاگ تو گئی ہے مگر ابھی اس قابل نہیں ہے شاید کہ عدالت میں جا کر عباد وجھی کے خلاف گواہی دے۔ میں کیسے بات کروں اجیارہ سے؟" راکنگ چیئر پر جھولتا آغا اکرام حسین کی سوچیں اجیارہ کے ہی گرد گھوم رہی تھیں۔

"زندگی میں بہت سے حل کیے گئے کیسز میں سے پہلا کیس ہے۔ جو کسی طور حل ہو کر نہیں دے رہا تھا۔ صرف دس دن رہ گئے ہیں مہینہ ختم ہونے میں۔ اور معاملہ ابھی تک وہیں کا وہیں اٹکا پڑا ہے۔"

رات کا جانے کیا بجا تھا۔ جب اجیارہ کی آنکھ کھلی تھی۔ کمرے میں زیرو پوائنٹ کا بلب جل رہا تھا۔ آغا اکرام حسین اس کے برابر میں دوسری طرف کروٹ لے کر سو رہا تھا۔ اجیارہ کی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی اور تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد کھڑکی کی طرف آ گئی تھی۔ پردہ ہٹا کر نیچے جھانکا تو لان میں کوئی سایہ نظر آیا تھا۔ اجیارہ کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔ وہ جلدی سے بھاگتے ہوئے آغا اکرام حسین کے پاس بھاگی تھی۔ اور کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"اکرام...... اکرام! وہ دیکھیے نیچے چور...... چور آ گیا ہے۔" اجیارہ کے اس طرح جھنجھوڑنے پر آغا اکرام حسین اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے خوفزدہ انداز نے آغا اکرام حسین کو بھی پریشان کر ڈالا تھا۔

"نیچے" اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ اس سمت چلا آیا تھا۔ اور اس کے پیچھے اجیارہ۔ آغا اکرام حسین نے کھڑکی سے پورا پردہ ہٹایا اور شیشے کے اس پار نیچے دیکھا تھا۔ جہاں اس کے دو گارڈز اس وقت پہرہ دے رہے تھے۔

"ہائے اللہ! اکرام! یہ تو دو ہو گئے۔" اجیارہ نے سہم کر مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا تھا۔ آغا اکرام حسین سمجھ گیا کہ مدھم سی روشنی میں وہ گارڈز کو چور سمجھ بیٹھی ہے۔ آغا اکرام حسین نے پردہ برابر کیا۔ اور مسکراتے ہوئے ڈری سہمی اجیارہ کو اپنے پیار کے حصار میں قید کر لیا تھا۔

"ڈارلنگ! وہ چور نہیں ہمارے گارڈز ہیں۔ جو نیچے ہماری، ہمارے بنگلے کی پہرہ داری کر رہے ہیں۔"

"اور میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" اب اسے افسوس ہونے لگا تھا کہ ایک تو گارڈز کو چور سمجھ بیٹھی۔ اور دوسرا اکرام کی نیند خراب کر دی تھی۔

"آپ کو برا لگا، میں نے آپ کی نیند خراب کر دی؟" وہ پُر افسوس نگاہوں سے اسے تکنے لگی تھی۔

"جان اکرام! آپ کی کسی بات کا برا لگ سکتا ہے بھلا؟ بالکل نہیں۔" اس نے اسے مزید خود سے قریب تر کیا تھا۔ جس پر وہ خوش ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اس وقت وہ آغا اکرام حسین کے چوڑے سینے پر سر رکھے اس کی پرپل شرٹ کے بٹن سے کھیل رہی تھی۔

"اکرام! آپ سے ایک بات کہوں؟" آخر کار وہ بہت سوچنے کے بعد بول ہی پڑی تھی۔

"ہوں، کہو۔"

"اکرام! کچھ دنوں سے میں ایک خواب دیکھ رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ "اکرام! ایک لڑکی ہے، جو بہت رو رہی ہے۔ وہ مجھ سے کہتی ہے۔ میں بہت تکلیف میں ہوں اور یہ تکلیف صرف میں ہی دور کر سکتی ہوں۔ اس کو اس بے پناہ تکلیف سے میں ہی نجات دلا سکتی ہوں۔ اکرام! مجھ سے اس لڑکی کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔"

آغا اکرام حسین کی سماعت مکمل طور پر اس کے لفظوں پر لگی ہوئی تھی۔ وہ بہت دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے؟ پہلے بھی دیکھا ہے اسے؟" آغا اقارم حسین نے بڑی اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"نہیں، میں اسے نہیں جانتی۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ میں اسے پہلے کہیں دیکھ چکی ہوں۔" وہ پُرسوچ لہجے میں بولی تھی۔ آغا اقارم حسین نے بغور اس کی سمت تکا تھا۔ اور پھر وارڈ روب کی جانب گیا تھا۔ دراز میں سے بلیک فائل برآمد کی تھی۔ اور ہاتھ میں تھامے وہ اجیارہ کے پاس چلا آیا تھا۔ فائل کھول کر اس میں سے ایک تصویر نکالی تھی۔ اور اس کے آگے کر دی تھی۔

"کیا یہی وہ لڑکی تھی؟" تصویر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اجیارہ تصویر کو ایک نظر دیکھنے کے بعد چونک کر بولی تھی۔

"ارے ہاں، لیکن اقارم! آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا۔ اور نہ تم جانتی ہو۔ لیکن تم اسے خواب سے پہلے بھی ایک بار دیکھ چکی ہو۔ یاد کرو کہاں دیکھا ہے تم نے اسے؟" آغا اقارم حسین نے وہ تصویر اجیارہ کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ جسے وہ بڑے غور سے تک رہی تھی، کہ اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ نظروں میں وہی روح فسوں منظر ناچنے لگا تھا۔ اس منظر کے تمام در وا ہو گئے تھے، جو اقارم نے اپنی بے پناہ محبت سے بند کر دیئے تھے۔ بھلا دیا تھا وہ خوفناک، جان لیوا نظارہ، جو آج پھر سے اسے سب کچھ یاد دلا گیا تھا۔ وہ دل دہلا دینے والا منظر، جس سے ہر انسان کو دیکھنے کے بعد رونگٹے کانپ اٹھیں۔ روح تڑپ اٹھے۔

"یاد آیا؟" آغا اقارم حسین نے جھک کر اس کی آنسو بھری آنکھوں میں جھانکا تھا۔ لمحوں میں اس کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ رنگ بالکل سپید پڑ گیا تھا، جب جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ اجیارہ نے ہاتھ میں پکڑی اس لڑکی کی تصویر خود سے جھٹکے سے الگ کی تھی۔ اور سرعت میں بیڈ سے اتر کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ اور آغا اقارم حسین کو خوفزدہ نگاہوں سے تک رہی تھی۔

"اجیارہ! کیا ہوا؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم سب کچھ جانتی ہو۔ تم نے وہ س اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دیکھو اجیارہ! اگر تم نے ا بھی کچھ نہیں بولا، تو یہ لڑکی ہمیشہ تکلیف میں رہے گی۔ ا کی روح کو کبھی بھی چین نہیں ملے گا۔" اس نے اجیارہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"کیا تم نہیں چاہتی ہو، اس لڑکی کی روح کو سکون جائے؟ اس کی تکلیف، اس کی اذیت ختم ہو جائے؟" بڑے پیار و آرام سے اسے سمجھا رہا تھا۔ جو کہ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

"بولو اجیارہ! تم چاہتی ہو نا کہ یہ لڑکی سکون میں ہو جائے؟" آغا اقارم حسین کی بات پر، اجیارہ نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

"ل..... لیکن اقارم! وہ لوگ، وہ لوگ مجھے مار دیں گے۔" اس کا خوف تھا کہ ختم ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس میں مزید اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

"اجیارہ! میری جان! میں نے کہا نا کہ کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکے۔ اور پھر کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟" آغا اقارم حسین نے اس کا خوف سے زرد چہرہ اپنی چوڑی ہتھیلیوں میں بھر لیا تھا۔ جس پر اس نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

"میری بے پناہ محبت پر یقین ہے نا تمہیں؟ اجیارہ! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ میں تمہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دوں گا۔" وہ آج اسے ہر طرح سے راضی کر لینا چاہتا تھا، کیونکہ مہینہ ختم ہونے میں صرف دو دن باقی تھے۔ اور دو دن بعد اجیارہ کی عدالت میں پیشی تھی۔ آغا اقارم حسین نے جتنی کوشش اس کیس پر کی تھی، اس سے کئی گنا اجیارہ پر کی ہے تاکہ وہ پہلے کی طرح ایک نارمل زندگی گزار سکے۔ اس طرح ڈر ڈر کر نہیں۔ اور پھر وہ آغا اقارم حسین کی شریک حیات تھی۔

☆☆☆

"ارے، حیات بھٹی صاحب! آپ بے فکر رہیے۔ مہینہ ختم ہونے میں صرف کل کا وقت ہی رہ گیا ہے۔ پھر آپ کا بیٹا باہر آجائے گا۔ آخر کو چودہ لاکھ کا معاملہ ہے۔ ہم نے کوئی کچی گولیاں تو نہیں کھیلی ہے نا۔ اس لڑکی کو ہم نے ذہنی ڈسٹرب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔" انسپکٹر فاران کرسی پر بیٹھا دونوں پاؤں اوپر ٹیبل پر پھیلائے بڑے سکون سے فون پر بات کر رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ کوئی دروازے کی اوٹ سے اس کی یہ سودے بازی کی گفتگو بڑے دھیان سے سن رہا ہے۔

"آپ دیکھیے گا راحیل بھٹی صاحب! وہ عدالت میں اگر آگئی تو کچھ بول نہیں سکے گی۔ اس کی زبان بند ہی رہے گی۔ بس آپ میرے پیسے تیار رکھیے گا۔" وہ بڑی بے صبری سے بولا تھا۔ اس کی یہ مکروہ ہنسی، خبیث گفتگو نے باہر کھڑے آغا اقارم حسین کو غصے سے سرخ کر ڈالا تھا۔ آنکھوں میں شرارے دوڑنے لگے تھے۔ اس سے زیادہ ضبط نہ ہو سکا تھا، اس لیے فوراً اندر چلا آیا تھا۔ انسپکٹر فاران کی تو سٹی ہی گم ہو گئی تھی۔ ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کو اپنے کمرے میں اچانک دیکھ کر اس نے فوراً ریسیور کو کریڈل پر رکھا تھا۔ اور مؤدب انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ آغا اقارم حسین نے غصے سے اپنا بھاری بھرکم مکا اس کے جبڑے پر دے مارا تھا، جو وہ سہہ نہ سکا تھا اور دور جا گرا تھا۔

"تم جیسے ضمیر فروش، بے ایمان اور غدار پولیس انسپکٹرز کی وجہ سے ہی ہمارا پولیس ڈیپارٹمنٹ بدنام ہے۔" اس نے بڑھ کر انسپکٹر فاران کا گریبان پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔

"اسی لیے ہمارا ملک ترقی کی راہوں پر جاتے جاتے دوبارہ پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ چوک پر کھڑا کر کے تم جیسے غدار کو زندہ جلا دوں۔ حوالدار! حوالدار!" آغا اقارم حسین نے زور سے چیخ کر حوالدار کو پکارا تھا۔ جس پر وہ فوراً حکم بجا لایا تھا۔

"بند کر دو اسے لاک اپ میں۔" آغا اقارم حسین نے اسے حوالدار کی سمت دھکیلا تھا۔ آغا اقارم حسین سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ وہ وقت کتنا ... جو وردی کے روپ میں دشمن ہے۔ اس وطن میں اس جیسے ابھی ... کا اس ملک کا۔

☆☆☆

اجیارہ اقارم اس وقت عدالت میں کٹہرے میں خوفزدہ سی کھڑی تھی۔ اور ڈی ایس پی آغا اقارم حسین کٹہرے سے باہر وردی میں ملبوس اس کے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔ کالے کوٹ میں وکیل اس کے پاس آیا تھا۔ اور اس سے وہ سب پوچھنے لگا تھا جو 23 فروری کی شام ہما کے پاس اس نے دیکھا تھا۔ بالکل سامنے کٹہرے میں عماد بھٹی افسردہ چہرہ لیے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وکیل نے اس کے خاموش رہنے پر اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا تھا۔ اجیارہ نے خوفزدہ نظروں سے اپنے پاس کھڑے آغا اقارم حسین کو دیکھا تھا۔ وہ اس آس سے اس امید سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے وہ اسے اس دل دہلا دینے والے سوال سے بچا لے گا۔

"اجیارہ! ڈرو نہیں۔ میں ہوں ناں۔ شاباش، بولو، جواب دو وکیل صاحب کے سوال کا۔" وہ جانتا تھا کہ وہ بہت ڈری ہوئی ہے۔ اس لیے مسلسل اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ حوصلہ دے رہا تھا اسے۔ اجیارہ کی آنکھوں میں وہ منظر ایک بار پھر گھومنے لگا تھا۔

"میں اپنے ماما، ممانی اور ان کے بچوں کے ساتھ سینما فلم دیکھنے گئی تھی جی......" اس نے اٹک اٹک کر بولنا شروع کر دیا تھا۔ "سینما سے اٹھ کر میں باہر آئی تو۔"

"آپ سینما سے باہر کیوں آئی تھیں؟" وکیل نے اس کی بات کاٹ کر اپنا سوال پوچھا تھا۔

"جی...... جی وہ...... میری ممانی نے بھیجا تھا۔"

"کیوں؟" جھٹ پوچھا گیا تھا۔

"وہ باہر سے پانی لانے جی! ان کا بیٹا رو رہا تھا پیاس کے مارے۔" وہ حد سے زیادہ گھبرا رہی تھی۔ اس نے کٹہرے کے ڈنڈے کو سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ یہاں تک اس کی ہتھیلیاں تک بھیگنے لگی تھیں۔ خوف کی وجہ سے چہرہ زرد

درجہ زرد ہو گیا تھا، جیسے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

''پھر، پھر کیا ہوا؟''

''جی پھر..... پھر میں پانی لے کر سینما میں واپس جا رہی تھی کہ ایک لڑکی کی چیخ سنائی دی تھی۔''

''تو آپ اس لڑکی کی چیخ سن کر وہاں چلی گئیں؟'' وکیل نے اس سے پوچھا تھا۔

''جی..... میں وہاں گئی تھی۔''

''پھر آپ نے وہاں کیا دیکھا؟''

''میں..... میں نے جی! ایک لڑکی کو ایک لڑکے کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھ..... مجھے ن..... نہیں معلوم کہ وہ کس بات پر لڑ رہے تھے۔'' اجیارہ کی نظریں مسلسل آغا اقارم حسین پر تھیں۔ یا پھر اس کالے کوٹ میں ملبوس وکیل پر۔

''آپ کو ایسا کیوں لگا کہ وہ لڑ ہی رہے تھے؟''

''جی، وہ دونوں آپس میں زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ اور اس لڑکے نے جی کسی بات پر اس لڑکی کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔'' وہ آگے کہتے کہتے رک گئی تھی۔ اس کی سانس بہت حد تک پھول گئی تھی، جیسے بہت دور سے میلوں کا سفر طے کر کے آئی ہو۔

''اوکے، آگے کیا دیکھا آپ نے؟'' وکیل اس کی خاموشی پر بول پڑا تھا۔

''جی آگے..... آگے وہ..... وہ۔'' اس سے آگے بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ رونے لگی تھی۔ آغا اقارم حسین نے اس کے کپکپاتے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ اجیارہ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں لرزتے کانپتے ہاتھوں میں زور سے دبا لیا تھا۔

''بولیے مسز اقارم! آگے آپ نے کیا دیکھا تھا؟'' وکیل نے بھی اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی، کیونکہ آغا اقارم حسین نے وکیل کو اجیارہ کی کنڈیشن کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''جی آگے۔'' اس نے اپنے سوکھے لبوں کو زبان سے تر کیا تھا۔ پھر تھوڑی ہمت کر کے بولی تھی۔ ہاتھ بدستور اسی طرح تھامے رکھا تھا، بلکہ اس پر مزید اپنی گرفت مضبوط کر دی تھی۔

''اس لڑ..... لڑکے نے غصے میں آ کر..... اپ..... اپنی جیب سے ایک بڑا سا چھرا نکالا تھا۔ اور..... اور پھر اس لڑکی کی گردن پر پھیر دیا تھا۔ جس سے اس کی آدھ..... آدھی گردن کٹ کر ایک سائیڈ لٹک گئی تھی۔'' بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی آ گئی تھی۔

''اور..... اور پھر اس کے جسم سے ایک ہاتھ..... اور..... اور ایک..... ایک پیر الگ کر دیا تھا۔'' بول کر اس نے اپنا سر آغا اقارم حسین کے پکڑے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ اور ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

اتنی بری موت کسی لڑکی کی سن کر عدالت میں موجود ہر شخص کے رونگٹے کھڑے کر گئے۔ جب یہ سن کر ہی ان کی روح کانپ اٹھی تھی، تو حقیقت میں یہ موت اتنی بھیانک موت دیکھنے کے بعد تو کسی کمزور دل کے حواس ہی گم کر دیئے تھے۔ کچھ لمحوں تک تو ہر شخص سناٹے میں ہی رہ گیا تھا۔ بالکل خاموشی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ ٹائپر کی تیز چلتی انگلیاں تک لمحے بھر کے لیے ساکت رہ گئی تھیں۔ اور اس خاموشی میں اگر کوئی آواز تھی تو صرف اجیارہ کی ہچکیوں کی، اس کی سسکیوں کی تھی، جو چاروں طرف گونج رہی تھیں۔ وکیل ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا اجیارہ کی سمت آیا تھا۔

''تو مسز اقارم حسین! آپ نے اس لڑکی کا جس لڑکے کو اتنی بے رحمی سے قتل کرتے دیکھا، تو کیا یہ شخص وہی ہے؟'' وکیل نے دوسرے کٹہرے میں کھڑے عباد بھٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اجیارہ نے اپنا چہرہ اٹھایا تھا اور نظریں سامنے کھڑے اس کو دیکھتے ہوئے شخص پر جا ٹکی تھیں۔ عدالت میں موجود یہ تیسرا شخص تھا جسے اجیارہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ ابھی فنا ہو جائے گی۔ ابھی اس کے جسم سے پھرتی سے روح پرواز کر جائے گی۔ اس نے مزید مضبوطی سے آغا اقارم حسین کے

ہاتھ پر اپنی گرفت سخت کر دی تھی۔

"کیسے؟ مسز اقارم حسین! کیا یہ شخص وہی ہے؟" وکیل بار بار اس سے اسی سوال کی تکرار کر رہا تھا۔

"ج۔۔۔ ج۔۔۔ جی ہا۔۔۔ ہاں۔۔۔ اق۔۔۔ اقا۔۔۔ اقارم! یہ۔۔۔ یہ مجھے مار دے گا۔ اقارم! یہ مجھ۔۔۔ مجھے بھی مار دے گا۔" وہ بڑی پھرتی سے کٹہرے سے باہر نکلی تھی اور سیدھا جا کر آغا اقارم حسین کے اندر سما گئی تھی۔ اپنا آپ اس نے وہاں موجود ہر شخص سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ وکیل نے آگے اس سے کچھ پوچھنا غیر مناسب ہی سمجھا تھا۔ اس لیے وہاں سے ہٹتا چلا گیا۔

"دیکھا جج صاحب! آپ نے کتنا بے رحم اور جابر صفت انسان ہے یہ۔ جس نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ وہ جس کا قتل کر رہا ہے، جس بے رحمی سے اسے مار رہا ہے، وہ ایک لڑکی تھی، ایک کمزور، نازک، بے بس لڑکی اور صرف اس بات پر اس انسان نے اس کا بے دردی سے قتل کر ڈالا کہ اس لڑکی نے اس کی ہوس کا شکار ہونے سے خود کو منع کر دیا تھا۔ جس نے اس جلاد، بے رحم انسان کے آگے اپنا سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔ صرف اتنی سی بات پر اس معصوم کا اتنی بے رحمی سے قتل۔" وکیل نے سر جھکائے عباد بھٹی کو گھور کر دیکھا تھا۔ اور جب مسز اقارم حسین نے اسے قتل کرتے دیکھا تو انھیں مینٹلی ٹارچر کیا گیا۔ ان کے گھر جا کر ان پر تشدد کروایا گیا، انھیں دھمکیاں دی گئیں، جو کہ اگر ڈی ایس پی آغا اقارم حسین انھیں نہ سنبھال لیتے تو مس اجیارہ کی یا تو اب موت ہو چکی تھی، یا پھر زندہ رہنے کے قابل ہی نہ چھوڑا ہوتا۔ جج صاحب! یہ شخص کٹہرے میں کھڑا انسانیت کے نام پر بدنما داغ صرف رحمانہ ابراہیم کا ہی نہیں، اس معصوم لڑکی مس اجیارہ کا بھی قاتل ہے۔ اسے تو ایسی سزا ملنی چاہیے کہ موت کی تمنا کرتے ہوئے بھی موت اس سے دور رہے۔ زندگی حد درجہ تنگ ہو جائے اس پر۔" وکیل بول چکا تھا اور اپنی سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔ اب فیصلہ جج کا تھا۔ اور عدالت میں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں عباد بھٹی کے لیے حد درجہ نفرت ہی نفرت تھی سوائے اس کے باپ رانجیل بھٹی کے۔

"بس نہیں چل رہا تھا وہاں پر بیٹھے لوگوں کا کہ اگر یہ حیوان ان کے ہاتھ لگ جائے تو کیا نہ کر ڈالیں اس کے ساتھ۔

ایسی سزا دیں کہ لوگوں کے لیے تا عمر عبرت بن جائے۔"

مگر وہ سب سامنے اونچی مسند پر بیٹھے جج کے فیصلے کے منتظر تھے۔ "گواہ اور بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ملزم عباد بھٹی ولد رانجیل بھٹی ایک سنگین گناہ کرنے کے سزا کے حق دار ہیں۔ انھوں نے نہ صرف رحمانہ ابراہیم کو بے رحمی سے قتل کیا، بلکہ اجیارہ کے ساتھ بھی ناانصافی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے عدالت عباد بھٹی کو یہ حکم سناتی ہے کہ وہ جرمانے کے طور پر پچیس ہزار بھرے۔ اور عباد بھٹی کو پندرہ دن تک کال کوٹھری میں چوبیس گھنٹے نظر بند رکھا جائے۔ اور پھر وہاں سے نکالنے کے بعد ایک ماہ تک حراست میں رکھا جائے۔ اس کے بعد دفعہ چار سو بیس کے تحت پھانسی کی سزا دے دی جائے۔ اس کے علاوہ اس کام میں اور بھی جو لوگ انوالو تھے، جیسے انسپکٹر فاران تو انھیں سسپنڈ کے ساتھ ساتھ سات سال کی سزا دی جاتی ہے۔ اور پولیس کو آرڈر ہے کہ مس اجیارہ کیس میں ان پر جس جس نے بھی مینٹلی ٹارچر کرنے کی کوشش کی ہے، انھیں فوراً سے پیشتر گرفتار کیا جائے۔" جج صاحب اپنا فیصلہ سنا کر جا چکے تھے۔

"بہت بڑے اور مشہور صنعت کار ہیں نا آپ؟ بہت اثر و رسوخ رکھتے ہیں آپ؟ بہت دولت ہے آپ کے پاس؟ لیکن یہ سب آج آپ کے بیٹے کے بالکل کام نہیں آئی۔ آج یہ سب بے کار ہے۔ افسوس مجھے اس بات کا نہیں کہ مجھے اتنی کڑی سزائیں سنائی گئی ہیں۔ افسوس تو مجھے اس بات کا ہے کہ آپ جیسا شخص میرا باپ ہے۔ جس نے میری تربیت ہی ایسی کی ہے۔ کاش کہ آپ جیسے رئیس باپ اپنے بیٹوں کی معمولی سی غلطی پر بھی اسے ٹوک سکتے، ڈانٹ سکتے، ان کے کیے کی انھیں سزا دے سکتے، تو آج ان کا یہ حال نہ ہو جو اس وقت میرا ہے۔" عباد بھٹی کہہ کر رکا نہیں تھا، جا رہا تھا۔ اس کی چال میں کسی ہارے ہوئے جواری کی

جیسی لڑکھڑاہٹ تھی، جسے راحیل بھٹی نے بڑے افسردہ انداز میں دیکھا تھا۔

☆☆☆

ڈی ایس پی آغا اقارم حسین یہ کیس جیت گیا تھا۔ آج کل وہ اخباروں کی سرخیوں کی زینت بنا ہوا تھا۔ اس کا عہدہ بڑھ گیا تھا۔ اور اس نے واپس اپنا ٹرانسفر اسلام آباد کے سرسبز شہر میں کرالیا تھا۔ ویسے بھی وہ اب اجیارہ کو اس کراچی شہر میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

اسلام آباد کے ''حسین ولا'' میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ مسز شہام حسین نے بہت خوشی و گرم جوشی سے اسے گلے لگایا تھا۔ اور اسے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ اور اسے ڈھیروں دعاؤں اور پیار سے نوازا تھا۔

آج اجیارہ اقارم کی شادی کو دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس دوران کے پانچ بچوں نے جنم لیا تھا۔ جن میں آغا اقارم حسین کی جان تھی۔ وہ ان سے اور اجیارہ سے بے حد پیار کرتا تھا۔ اجیارہ نے خود کو مطمئن کرلیا تھا۔ مسز شہام کے ساتھ سوشل ورک کا ایک حصہ بن گئی تھی۔

''کیوں بھئی مسز اقارم! کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' آغا اقارم حسین کمپیوٹر پہ بیٹھا آنکھوں پر آئی گلاسز لگائے کسی پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔ جب ہی اس کی نظر ڈریسنگ روم سے نکلتی پر پڑی، چارجٹ کی ہلکے گولڈن کام والی ساڑھی باندھے اجیارہ اقارم پر پڑی تھی، جس کے چہرے پر ہلکے لائٹ سے میک اپ نے بہت خوشگوار اثر پیدا کر دی تھی، ہم رنگ جیولری میں وہ بہت حسین، خوبصورت لگ رہی تھی۔ ساڑھی کا پلو درست کرتی وہ آغا اقارم حسین کے پاس رکھی دوسری چیئر پر ٹک گئی تھی۔

''وہ آج مسز ہال شہریہ نے پارٹی رکھی ہے۔ وہیں جا رہی تھی۔'' بڑی سہولت سے اسے دیکھ کر جواب دیا تھا۔ آغا اقارم حسین نے کمپیوٹر آف کر دیا تھا۔ اور اپنا رخ اجیارہ کی سمت کرلیا تھا۔ اس نے اجیارہ کا اوپر سے نیچے تک بڑی خوبصورتی سے جائزہ لیا تھا۔

''ایک کام کرو۔ آج مت جاؤ۔'' لہجہ کافی پر شوخی لیے ہوئے تھا، جس پر اجیارہ مسکرا دی تھی۔ اسی وقت اس کا موبائل بج پڑا تھا۔

''لو، تمہاری یہ مشین بول پڑی۔'' اس نے اجیارہ کے ہاتھ میں پکڑے موبائل سیل کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اجیارہ نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا تھا۔ اور پھر اوکے کا بٹن پش کر دیا تھا۔ اس نے آنے سے معذرت کر لی تھی۔

''آپ ابھی تک بھولے نہیں یہ بات؟'' اجیارہ نے موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''ارے واہ، کیوں بھول جاؤں؟ یہ تو میرے لیے انٹرسٹنگ یادیں ہیں۔ جیسے کہ یہ مشین، صاحب جی، اور وہ کیا تھا؟'' آغا اقارم حسین نے ذہن پر زور ڈالنے کی شاندار ایکٹنگ کی تھی۔ ہاں، ماما کے پاس جانا ہے۔'' آغا اقارم حسین خود ہی کہہ کر، خود ہی ہنسنے لگا تھا۔

''اقارم!'' اجیارہ نے اس کو ٹوکا تھا۔

''اوں..... ہوں اقارم نہیں، اق..... اقا..... اقارم۔'' ایک بار پھر اسے چھیڑا تھا۔ جس پر اجیارہ نے اس کے شانے پر زبردست مکا جڑا تھا۔ آغا اقارم حسین کی ہنسی قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''ممی! پاپا! ہم اندر آجائیں؟'' دروازے سے جھانکتے سب بچوں نے کورس میں کہا تھا۔

''ارے، میرے بچو! میرے جگر کے ٹکڑو! بھاگ کر آؤ۔'' آغا اقارم حسین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور بچے دوڑ کر اس کے پاس آئے تھے۔ وہ سب بچوں سمیت بیڈ پر آلیٹا تھا۔ سب سے چھوٹی دو سالہ لیہا اس کے سینے پر بیٹھی تھی۔ اور باقی چاروں دائیں، بائیں اس سے لگے تھے۔ اجیارہ اس منظر کو دیکھتے ہوئے سرشاری سے مسکرا دی تھی۔ اس کی زندگی مکمل اور خوبصورت ہو گئی تھی۔ وہ خود بھی اٹھ کر بچوں اور اقارم کے پاس آبیٹھی تھی۔ ان کی ہنسی ان کی قلقاریاں، شرارتیں، باتیں سن سن کر وہ دونوں بھی ان ہی بچوں کا ساتھ دے رہے تھے۔